# حیرت کے اُس پار

عذرا عباس

# حیرت کے اُس پار

عذرا عباس

# Hairat kay us paar

*Azra Abbas*

اشاعت: ۲۰۰۶ء
کمپوزنگ: احمد گرافکس، کراچی
طباعت: کریسنٹ گرافک آرٹس، کراچی

بی۔ ۱۵۵، بلاک ۵، گلشن اقبال، کراچی۔
info@scheherzade.com

# انتساب

غالب کے اس مصرعے
کے نام

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب

# ترتیب

# اس کے لیے

پرندے کی پہلی پکار
گھولتی ہے خاموشی اور اندھیرے میں
روشن لکیر
اور دائرہ بناتی ہوئی
اُڑ جاتی ہے
اوپر
آسمان جس کے
انتظار میں ہوتا ہے،
ایسے ہی سمے کی قسم
میں نے دلیل پائی ہے
ایک حیرت میں بھرے ہوئے
یقین کی
اور ان دروازوں کے
کھلنے کی آواز سُنی ہے
جو تیری طرف کھلتے ہیں،

میں نے اپنے قلب میں
تجھے جھانکتے دیکھا ہے۔
سپردگی کے اس لمحے میں
جب تو نے مجھے پایا
میں نے کہا
میں نے بھی تجھے
پایا۔

# جس کے لیے

محبت کی شروعات
وہیں سے ہوئی تھی
جہاں سے سوچا گیا تھا
تمہارے بارے میں
پھر جو بھی تھا
تمہارے لیے تھا
ہمیشہ سے ہمیشہ تک،
جو کچھ درمیان میں تھا
اور ہے
وہ سب کچھ
اس محبت کے لیے ہی ہے
جس کے لیے

حرف بنائے گئے
اور نقطے تیار کیے گئے
اور بتایا گیا
محبّت یہیں سے شروع ہوتی ہے۔

## ایسے ہوتے ہیں خواب

سامنے کھڑے ہوں
اور اٹھکیلیاں کر رہے ہوں
اور
نظر انداز کر رہے ہوں
ہمیں
تو کیا ہوتا ہے
بالکل ایسے جیسے سمندر کا جھاگ
تنتناتا ہوا بیچ موجوں سے آئے
اور ساحل پر پھیل کر
ریت میں منہ چھپالے
شور مچائیں پرندے
اس کی اس ہٹ دھرمی پر
ایسے ہی خواب
سامنے کھڑے ہوں
اور

خود کو ہماری آنکھوں کی زد میں
آنے نہ دیں
ہم نے بارہا چاہا
کہ انہیں فوکس کر لیں
اور کھینچ لیں ان کی ایک تصویر
لیکن اٹھکیلیاں کرتے ہوئے یہ
ایک بھی موقع ایسا نہیں دیتے ہیں
کہ ہم ان کی تصویر
اتار کر
اپنے پاس رکھ لیں
اور دکھائیں دنیا کو
کہ
ایسے ہوتے ہیں خواب۔

# لفظوں کا زوال

اب آ گیا لفظوں کے زوال کا وقت
بہت شوریدہ سر
دلوں کو کچلتے ہوئے
سروں کو روندتے ہوئے
نکلے تھے
اب خاموشی اور سنّاٹے کے
درمیان
یہ ٹکر ٹکر دیکھیں گے
جب ایک دوسرے سے ٹکراتی چیزوں
کی آوازیں بھی
ان کا ساتھ نہیں دیں گی
بہے گا پانی
ایک موج بھی نہیں دے گی انہیں
جواب

سب دھکیل دیں گے انہیں
سمندر میں
خاموشی سے
یہی ہے ان کا مقدّر۔

# سب دن ایک جیسے نہیں ہوتے

سب دن ایک جیسے نہیں ہوتے
کل کا دن تو ایسا نہیں تھا
جیسا آج کا ہے،
ہر دن اپنی اپنی گپھا میں
چھپا
جب سویرے سویرے
ہم سے سامنا کرتا ہے
تو کہتا ہے
آج کا دن گزارو تو جانیں،
اور ہم
کمربستہ ہو جاتے ہیں
آج کے دن کے گزارنے کو
وہ دن ہم گزار لیتے ہیں
اور ہم اس گزرے ہوئے
دن کو

پیچھے پلٹ کر دیکھتے ہیں
سورج کے ساتھ
ڈوبتے
اندھیرے میں مُنھ چھپاتے
بہت ٹھونک کر آیا تھا
خود کو
جیسے ہمیں یہ دن گزارنے نہ دے گا
پسپا کر دے گا ہمیں
اور گڑگڑائیں گے ہم
اس کے سامنے
اور اپنی گردن جو ہم ہمیشہ
اکڑی رکھتے ہیں
اس کے سامنے جھکا دیں گے
اور اپنی آنکھیں
پھٹی پھٹی کر کے اس کے سامنے التجا کریں گے
کہ آج کا دن ویسا ہی گزرے
جیسا
ایک دن گزارا تھا،
جسے ہم کبھی نہیں بھولتے
بھلے سے
سارے دن ایسے ویسے گزرتے رہیں

ہم نہیں جھکائیں گے اپنی
گردن
اور لگا رہنے دیں گے اس میں
ہمیشہ کے لیے
کلف
جو اس کے سامنے ہمیں
جھکنے نہیں دے گا
بھلے وہ دن کتنا ہی برا گزرے۔

## نظم

۱۵۹ نمبر کی بس
ٹریفلگر اسکوائر پر
رکتی ہے
بہت سی کھڑکیوں میں سے
ایک کھڑکی سے ٹکی ایک عورت
بس کے جھٹکے سے رکنے پر
آنکھ کھولتی ہے
ابھی وہ نیند میں دیکھ رہی تھی
وہ ۲۲ سال کی دوشیزہ ہے
اور ۲۵ سال کا ایک جوان
اس کی ٹانگوں میں
اپنی ٹانگیں گھسیڑے کھڑا ہے
اور اس کے ہونٹ
بوسوں کی چپچپاہٹ میں تر ہیں
وہ آنکھ کھلنے پر

ادھر ادھر دیکھتی ہے
یہ سوچتے ہوئے
کہ نیند میں ہے
یا نیند سے باہر
ٹریفلگر اسکوائر کے بڑے مجسمے پر
اس کی نظر پڑتی ہے
جس کے نیچے
ایک دیوار سے چپکے
۲۵ سال لڑکے اور ۲۲ سالہ لڑکی
ہاں، لگ بھگ
یہی عمر ہوگی،
ایک دوسروں کی ٹانگوں میں جڑے
بوسوں کی چہل پہل میں
اپنے اردگرد کی چہل پہل بھی نہیں دیکھ رہے تھے
عورت مسکراتی ہے
اور
آنکھیں بند کرلیتی ہے۔
وہ ابھی نیند میں ہے۔

# دل

دل
چوٹ کھائے ہوئے
جوں، سہما ہوا ایک چوزا
آنکھیں موندے
ایک کونے میں دبکا پڑا ہے
کوئی ہتھیلی میں اُٹھائے
تو دیکھے،
زندہ ہے
یا
مر گیا

# کراس

سب ایسے ہوا
جسے زمین سرک گئی ہو
سب چیزیں بے ترتیب
تھوڑی سی اوپر
تھوڑی سی نیچے
تتر بتر سی
جو دائیں تھیں
وہ بائیں چلی گئیں
جو بائیں تھیں
وہ دائیں چلی گئیں
کچھ تو بالکل ایسے
جیسے کراس بنا رہی ہوں
چھوٹے چھوٹے بہت سے کراس
اور ان سے مل کر
ایک بڑا کراس

جو زندگی پہ بھی لگا ہوا ملا
جو ان سے مل کر بنی تھی
جب یہ ترتیب میں تھیں،
خود میں بھی تھوڑی سی بہت تھوڑی سی
ایک طرف کو پڑی ہوئی ملی
لیکن ابھی پتہ نہیں چلا
اِدھر یا اُدھر
دائیں یا بائیں
کروٹ بدل کر دیکھوں تو پتہ چلے
مرا سرھانہ کدھر ہے
اور پائنتی کدھر
جو دیکھوں تو شاید بڑے کراس نے
مجھے ڈھانپ لیا ہے۔
جو لوگ دیکھیں گے
تو اس کراس کے پیچھے پڑی ہوئی
میں
انہیں نظر نہ آؤں گی
اس لیے کہ وہ بھی
مجھے نظر نہیں آ رہے ہیں۔

# میری نیند نہ چھینو

یہ نیند ہی تو ہے
جو دکھاتی ہے مجھے خواب
یہ خواب ہی تو ہیں
جو
سمندر سے مجھے ملا دیتے ہیں
اور اس محبّت سے
جو اسے مجھ سے ہے
جو میرے پیچھے اس وقت
سے بھاگ رہی ہے
جب میرے ہونٹ بالکل کنوارے تھے
شفاف شبنم کے قطرے
ان پر گر کر مجھے بوسے دیتے تھے
اور جاگتے تھے میرے خواب
اور وہ محبت جسے میں ڈھونڈتی تھی
اب اس گسے ہوئے آسمان پر

دیوانہ وار بھاگتی اس زمین پر
نیند نہ ہو
تو کیا ہوگا
کون دیکھے گا خواب
سب بچھڑ جائیں گے اپنے خوابوں سے
اور وہ بھی مجھ سے۔

# خالی بینچ

ایک وقت ایسا آئے گا
کہ میں
یہ سب بھول جاؤں گی
اس وقت کی سنگینی بھی
جس میں میرا دل
ایک گاڑھے دکھ سے بھر گیا تھا
اور میں
اس سفید بینچ کی طرح رہ جاؤں گی
جو خالی پڑی ہے
اس ارادے سے کہ میں
اس پر بیٹھوں
اور آگے دیکھوں
آگے جہاں پانی کے قطرے
خام مال کی طرح پڑے ہیں
ہوا کا لباس بننے کے لیے۔

# میری یہ مہلت

بے شغل رات دن
جگہ بناتے ہیں میرے دل میں
ایسے جیسے خالی آسامی ہو
رد کرتے ہیں مجھے
فرصت کی گپھا میں
مرے خوابوں سمیت
یہ سر جوڑ کر سوچتے ہیں
جب دیکھتے ہیں مجھے
کیاری میں پودینے کے ڈنٹھل لگاتے
اور وہ شریر چڑیا بھی مل جاتی ہے ان کے ساتھ
گھنے پیڑ پر دم ہلا ہلا کر
ایک سُر لگانے
جیسے منسوخ کر دیں گے میری یہ مہلت
جو ملی ہے مجھے
خوابوں کے رحم و کرم پر۔

# نظم

وہ کہتا ہے
ماں میں تم کو دیکھنا چاہتا ہوں
تم کو دیکھے ہوئے
کتنے ماہ و سال گزر گئے
لیکن جس طرح ہر چیز متحرک
ہوتے ہوئے بھی بندھی ہوئی ہے
ایک ڈور سے
ایک ایسی ڈور سے جس نے بنا دیا ہے
ہم کو کٹھ پتلی
ہمارے سارے ارادے بھی
اس کے پاس گروی پڑے ہیں
بالکل ایسے ہی
لیکن تم ملال میں مت رہنا
ایک دن ایسا ضرور آئے گا
جب ہم چھڑا لیں گے اس سے

اپنے ارادے
اور اس کو مُنھ توڑ شکست دیں گے
اس دن ماں
مجھے کوئی نہیں روک سکے گا
تمہارے پاس آنے سے۔

## سدا بہار

سدا بہار کچھ بھی نہیں ہے
بس جو ہیں
تو ہماری مجبوریاں
ان پر بہار رہتی ہے
یہ ہر موسم میں
ہماری زندگی کی کیاریوں میں
کھلتی رہتی ہیں۔
اکثر چاندنی راتوں میں
تاکتی ہیں
سفیدے کے پھولوں پر جم کر
اور بارشوں میں
آسمانی بجلی کی طرح
ہمارے سروں پر منڈلاتی ہیں
کبھی کبھی
یہ جھینگر کی آواز بن کر

ہماری نیندوں میں گھس آتی ہیں
اور ہمیں
جاگنے دیتی ہیں
ہم انہیں کچھ نہیں کہہ سکتے
ہم انہیں اپنی ایڑیوں سے
کچل بھی نہیں سکتے
اور نہ انہیں کیڑے مار دواؤں سے
مار کر بھگا سکتے ہیں
ہم جانتے ہیں
جب ہم نہیں رہیں گے
تو بھی یہ رہیں گی،
ہماری مجبوریاں
تب یہ ہمارے ناموں کے ساتھ
یاد کی جائیں گی۔

# ٹوٹی ہوئی رسّی

اب وہ سفر میں ساتھ لے جانے والے
بستر بند کے کام آتی ہے
اور کبھی کبھی بچّے اپنی ٹوٹی ہوئی
بے پہیوں کی گاڑی سے
اسے باندھ دیتے ہیں
بہت دن پہلے
وہ دو دلوں سے بندھی تھی
جب چیونٹیاں دکھاتی تھیں اس پر
اپنی بازی گری
مُنھ میں غذا دبائے
اِدھر سے اُدھر اٹھلاتی ہوئی،
کبھی کبھی پرندے
اپنی اپنی اڑانوں سے تھک کر
اس پر بیٹھ جاتے تھے
جب یہ بھیگتی تھی

بارشوں میں
سینکتی تھی بہاروں کی دھوپ
کبھی کبھی یہ بن جاتی تھی
رنگ برنگ کے کپڑوں کی الگنی،
ٹوٹی ہوئی رسّی سے جڑے
دل
اب کہاں ہیں؟

## پیاری واڈکا

کیتھرائن کہہ رہی ہے
تم پہلی بار پی رہی ہو
اس کو ایسے پیو
جیسے کتے کے پلّے کو
آہستہ آہستہ چمکار کر
اپنے آپ سے ہلایا جاتا ہے
نہ، نہ
ایک دم نہیں
ورنہ کتّے کے پلّے کی طرح
وہ تم پر چڑھ دوڑے گی
اور تم بھی
اسی پلّے کی طرح بھونکنے لگو گی
ڈارلنگ، آہستہ آہستہ
وہ طویل بوسہ دیتی ہے
اور میرے گلاس میں

آدھا اورنج جوس بھر دیتی ہے۔
واڈکا
پیاری واڈکا
میں کہتی ہوں
خوش آمدید
خوش آمدید
اب دیکھنا ہے
کون کس پر چڑھتا ہے
!Bitch

# بازی گر

بازی گر
اپنا قد اونچے کرنے والے جوتے پہنتا ہے۔
وہ نشے میں
بازی گری دکھاتا ہے
اس کے جوتے اتنے اونچے ہیں
کہ اگر
اس کی ماں دیکھتی
تو رو دیتی،
اور اس کی محبوبہ
جو اب کسی اور کے بستر میں ہے۔
بازی گر
اپنی محبوبہ سے ہاتھ دھو بیٹھا
اس لیے کہ
وہ اس کے سامنے بازی گری
نہیں دکھا سکا

بازی گر
اونچے جوتے والا کھیل
جب ہی سے
دکھاتا ہے۔

# ایک خیال کو نظم بنایا جا سکتا ہے

یہ ایک خیال ہی تو ہے
کہ جیسے بہت دور کہیں بیٹھا ہوا کوئی
اچانک مجھے یاد کرے
اور اس وقت کو جب اس نے مجھ سے کہا تھا
اگر میرے نیام میں ایک تلوار ہوتی
تو میں ان سب کا سر کاٹ دیتا
جن کے دل میں
تم ہو۔
یہ ایک خیال ہی تو ہے
کہ ایک شخص کہیں دور بیٹھا
صرف مجھے یاد کر رہا ہو
اس یقین کے ساتھ کہ میں بھی
اُسے یاد کر رہی ہوں
اور اس خیال کو نظم بنا رہی ہوں۔

## تم وہیں ہو

جو سگریٹ
میرے ہونٹوں کو چھو رہا تھا
وہ اب دریائے ٹیمز کے سینے پر
منڈلا رہا ہے
کیا ٹیمز
اس لمس سے واقف ہے؟
لمس کبھی بھلائے نہیں جاتے
سرد اور تیز ہواؤں کے بیچ
مارلن منرو کے پوسٹر کے سامنے
میں
منرو کے حسن کو
بے ساختہ
داد دے رہی ہوں
حسن کو موت نہیں آنا چاہیے
حسن کو ہمیشہ رہنا چاہیے

لیکن نہیں
سامنے سے آتے ہوئے
ایک جوان کو میں دیکھتی ہوں
منرو کے پوسٹر سے آنکھیں
اب اس متّحرک حسن کو تاڑتی ہیں
اگر
وقت مجھے بہت آگے نہ لاتا
تو ایک بوسہ تمہارے لیے ہوتا۔
میں سگریٹ جلاتی ہوں
اور اس کو
دریائے ٹیمز کے رواں دواں پانی میں
بجھنے کے لیے پھینک دیتی ہوں۔
بجھی ہوئی سگریٹ کا آخری حصّہ
پانی پہ ڈولتے ہوئے
ایسا لگ رہا ہے
جیسے مجھے مسکرا کر دیکھ رہا ہو
اور کہہ رہا ہو
تم وہیں ہو
جہاں تم ہمیشہ رہتی ہو
وقت تو تمہارے پیچھے کھڑا ہے۔

# ذرا سی اونچی اڑتی

ذرا سی اونچی اڑتی
تو بچ جاتی
گاڑی کے پہیّوں سے
کچلی نہ جاتی
وہ تو ہمیشہ اونچی ہی اڑتی رہی
آج پہلی بار
شوخی میں آئی
اور چلتی ہوئی بھیڑ میں
اِدھر سے اُدھر ہوگئی
گردن ایک کونے میں
لٹکی ہوئی
اور دھڑ
ایک پہیے نے پیس کر
رکھ دیا
اونچی اڑتی تو شاید

اپنی موت آپ ہی مرتی
ایک کبوتر نے دیکھا
تو سر جھکا کر کہا،
اتنی چھوٹی موت
کسی کے نصیبوں میں نہ ہو

جو یہ
اونچی اڑانوں میں رہتی
تو اس کے لیے
کوئی شکرا
اوپر سے نیچے تو آتا۔

# ایک محبت

ایک محبت
آپ کے پاؤں چھوٹے کر دیتی ہے
قدیم زمانے کی چینی عورتوں کی طرح
بھاگنے کی ترغیب سے روکنے لیے
جن کے پاؤں
چھوٹے کر دیے جاتے تھے۔
صرف ایک محبت
آہستہ آہستہ جسم پر
پھپھوند کی طرح پھیلتی ہے
یا اس پھل کی طرح
جو پہلے باسی ہو کر
گلنا شروع کرتا ہے
پھر ادھر اُدھر سے بہنے لگتا ہے
پھر اس کی بدبو
خود اس کو اس قابل نہیں چھوڑتی

کہ اس طرح دیکھا جائے
کہ یہ تو میٹھا اور ذائقے دار پھل تھا۔
بہت سی محبّتوں کے درمیان
یہ تو ہوتا ہے
کہ جب چپکے سے ایک کھسک جائے
تو دوسری تھپتھپاتی ہے
کہ میں تو ہوں۔

# یہ بھی ہو سکتا ہے

اگر
ایک گھڑی ہمارے بستر کے
سامنے ہو
تو ہم سب سے پہلے گھڑی دیکھیں
اس وقت کچھ بھی بج رہا ہو
مثلاً
صبح کے سات یا آٹھ بج کر دس منٹ،
گھڑی
جو اپنی دو سوئیوں کے سہارے
وقت کو اپنے ساتھ
باندھے رکھتی ہے
اگر گھڑی نہ ہو
تو وقت منھ دیکھتا رہ جائے۔
ہم سورج کے نکلنے

اور اس کے ڈوبنے پر
تو بتا سکتے ہیں
کہ دن ہوا ہے اور رات شروع
لیکن بیچ کے تمام وقت
ہم وقت کا مُنھ نہیں دیکھ سکتے
سوائے
جب سورج ہمارے سروں پر ہوتا ہے،
اور ہمارے سائے
نہ اِدھر ہوتے ہیں نہ اُدھر
اس سمے جب ہم
پوچھتے ہیں کہ
کیا وقت ہوا ہے
تو تیز دھوپ ہمارے سروں پر
منڈلاتی ہے۔
اب اگر ہم ایک کیل
اپنے بستر کے سامنے دیوار پر لگا دیں
اور اس پر ایک گھڑی
تو ہم وقت کے گزرنے کے بارے میں
آنکھ کھلتے ہی سوچنے لگیں گے۔
یہ بھی ہوسکتا ہے
کہ اس سوچ کے سہارے

ہم دوبارہ آنکھیں موند لیں
اور دوبارہ سو جائیں اور گھڑی
گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ
ٹھٹکی رہ جائے۔

# ہم دونوں

ہم دونوں اکٹھے رہتے ہیں
اکٹھے سوتے ہیں
ہمارے دکھ سکھ ایک ہیں
ہماری آنکھیں ایک دوسرے کے خواب
دیکھ لیتی ہیں
ہم کہیں بھی ہوں
ایک دوسرے کے ناموں سے جانے جاتے ہیں
ہمارے گھر آنے والے
اپنی دستک میں دونوں کا نام
شامل کر لیتے ہیں
دن کے پہلے حصّے میں
ہماری آنکھیں
ایک دوسرے کو خوش آمدید کہتی ہیں
اب لفظ ہمارے درمیان
چپ رہتے ہیں

ہماری سانسوں کا ردم
جسم کی حرکت سے
ایک دوسرے کے ہونے کا اطمینان دلاتا ہے
ہم اکثر
اب ایک دوسرے کی نیند سو لیتے ہیں
لیکن
اس کے باوجود اکثر
گہری راتوں میں
ہمارے دل
اپنے اپنے سینوں میں
الگ الگ دھڑکتے ہوئے
سنائی دیتے ہیں۔

# خزاں آنے سے پہلے

بارش ہوتی ہے
خزاں آنے سے پہلے

دروازے ہوا سے بجنے لگتے ہیں
پرندے درختوں سے باہر
پتوں کے گرنے کے خوف سے
اڑتے ہیں
تتلیاں اپنے پروں کو سمیٹے ہوئے
اندھیروں میں چھپنے کی کوشش میں
کہیں چلی جاتی ہیں

پھول بے آسرا، کمھلائے ہوئے
خزاں آنے سے پہلے
سب کچھ ویسا ہی ہوتا ہے
جیسا ہمیشہ

خزاں آنے سے پہلے ہوتا رہا ہے
بس آج
میری آنکھوں کو سب نیا لگ رہا ہے۔
ایک ننھی سی گونج کے درمیان
کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے
میں کھولتے ہوئے ڈر رہی ہوں
خزاں آنے سے پہلے۔

# نہیں

تم ایک خیال کی طرح میرے دل میں
نہیں اُتر سکتے
نہ تم میری آنکھوں میں خواب بن سکتے ہو
ابھی تو میں تم کو دیکھ رہی ہوں
تم کو چھو سکتی ہوں
تمہاری انگلیوں کی پوریں
سامان باندھتے ہوئے
میری پوروں سے ٹکرا بھی سکتی ہیں
لیکن جب
یہ سب کچھ نہیں ہوگا
میں تمہیں
ایک یاد میں بدل دوں گی
اور ملا دوں گی
اپنی ان یادوں سے
جنہیں میں بھلا بیٹھی ہوں

# ان باتوں جیسا

یہاں سے وہاں تک
سب سفید ہے
ٹھنڈا، یخ
ان باتوں جیسا جو دل دُکھاتی ہیں
ان منظروں سے پرے بھی
جو منظر ہیں
جو کسی کو نظر نہیں آتے
وہ بھی
اور میں کسی ٹھنڈے، یخ منظر میں
کسی بھی پھسلن کا شکار ہو کر
اس سفید یخ برف پر
نہ چاہتے ہوئے بھی گر رہی ہوں
خود کو سنبھالنے کی
تمام تر کوششوں کے باوجود۔

## یہ بوسے

تم مجھے مقروض کر دیتے ہو
اپنے بوسوں سے
مرا بال بال بندھ گیا ہے
اس قرضے میں
روز بلا ناغہ
یہ بوسے، جیسے اپنی یادداشت
کھو دیتے ہیں
جب آہستہ آہستہ میں
اپنی انگلیاں پھیرتی ہوں
ان کے ثبت کیے ہوئے نشانوں پر
یہ میری پوروں پر
اپنا کوئی لمس نہیں چھوڑتے
ان کی گرم جوشی اور تپش

میرے چہرے پر سرسرانے کے بجائے
ہواؤں کی تندی سے جا ملتی ہے
اور
ان پتّوں سے
جن کو پالا مار گیا ہو۔

# چڑھائی

یہ جو ہری گھاس کا میدان نظر آ رہا ہے
یہ اوپر تک
یہی جس کے اوپر ہے نیلا آسمان
اور اس کے نیچے
بہت سفید نظر آنے والے بادل
کیا آپ چڑھ پائیں گے
شروع کریں چڑھنا
ہر قدم کے ساتھ بہت سی یادوں کی
گرہیں کھولتے جائیں
تو یہ اونچائی
آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔
آپ چڑھتے چلے جائیں
سانس بھی نہیں پھولے گا

بس تھوڑا سا زادِ راہ ضروری ہے
لیکن اس چڑھائی سے پہلے
سوچ لیں
جانا کدھر ہے۔

## نظم

جب وہ دور دراز علاقے میں چلا گیا
تب بھی اس کی ماں
اس کے ساتھ رہتی ہے
وہ اسے کبھی تنہا نہیں چھوڑتی
دور دراز علاقے اور اس کی ماں کے
درمیان
ایک طویل فاصلہ ہے
لیکن جب وہ سانس لیتا ہے
تو اس کی ماں کی مہک اس کے قریب
منڈلاتی ہے
اور وہ سوچتا ہے
ماں اگر پرچھائیں بن سکتی
یا کسی پینٹنگ میں اتاری جا سکتی
یا اس کے قمیص کے بٹن
جتنی ہوتی

تو کتنا اچھا ہوتا
اپنی مصروف ترین زندگی میں بھی
اس کی ماں اس کے جسم پر روئیں
کی طرح چمٹی رہتی ہے
اس نے ماں کو کبھی نہیں جھٹکا
اور
کبھی یہ نہیں کہا
یہ کیا مذاق ہے
کبھی کبھی وہ اپنے کمرے میں
ماں کو بٹھا دیتا ہے
اور خود اس کو فون کرنے چلا جاتا ہے
فون کی گھنٹی پر اس کی ماں ہی
دوسری طرف سے اٹھاتی ہے
اور پوچھتی
اس کی خیریت،
وہ ماں سے کہتا ہے
تمہیں ابھی اپنے ہوسٹل کے کمرے میں
بٹھا کر آیا ہوں
تم تو ہر وقت میرے ساتھ رہتی ہو
مگر تمہاری آواز سننے کے لیے
اس کی ماں روہانسی آواز میں کہتی ہے

میں جانتی ہوں
میں تو تمہاری آواز بھی
سنتی ہوں
لیکن تم نے میرے خوابوں میں
آنا کیوں چھوڑ دیا؟
وہ ہنستا ہے—
لیکن تم تو ہر وقت مرے ساتھ
رہتی ہو
تم سوتی کب ہو؟

## آخر اُداسی کو جشن منانے کا موقع مل ہی گیا

اپنی تمام تر
کوششوں کے باوجود
میں اسے روک نہیں سکی
اس کی آنکھیں میرے تعاقب میں رہتیں
اس کے ہاتھ اور ناخنوں پر
مجھے زخمی کرنے کے ارادے
ہمیشہ رہتے
لیکن میں ہمیشہ بچ نکلتی
جب بھی وہ
گلیوں، بازاروں اور تماشگاہوں میں
میرا پیچھا کرتی
میں اس سے کترا کترا
کر نکلتی
کبھی کبھی اس کی کوششوں کے نتیجے میں
مرا لباس دھول سے اَٹ جاتا

میرے پاؤں کی جلد پھٹنے لگتی
لیکن اس کی جیت نہیں ہوتی
اس نے بہت سی شکلیں اختیار کیں
میرے روشندان، کھڑکیاں اور دروازے
اور دیواروں پر نت نئی صورتیں
اور شبیہوں کے ساتھ
کبھی یوں بھی ہوا
وہ بالکل میرے بستر میں برابر میں
لیٹی ہوئی ملی
میرے اور میرے شوہر کے بیچ
وہ میرے تکیے پر اپنے آنسو چھوڑ جاتی
میری آواز سے اپنی آواز ملا کر
چلنے لگتی
لیکن میں بہت جلد اسے
پہچان لیتی
وہ ہمیشہ میری تاک میں رہتی
صبح کے اخبار میں
روپے کے بھاؤ گرنے کی خبر میں
میرے آٹے کے ڈبے
میرے باورچی خانے میں
میری کپڑوں کی الماری میں

اور جہاں جہاں وہ گھات لگا سکتی ہے
وہ کبھی کبھی تو میرے ہونٹوں پر
اپنے دانت گڑو دیتی
اس کی سرسراہٹ
کسی بھی ہم بستری کے دوران
اس نشے میں داخل ہو جاتی
جو صرف میرے حصے میں آیا ہے
مجھے پتہ نہیں چل سکا
وہ کس راستے سے اور کس وقت
میرے کمرے میں داخل ہوئی
پہلی بار اس کو دیکھنے والوں نے
اس کو مجھ سے چھپایا
وہ ڈرتے ہوں گے
جب وہ دبے پاؤں میرے گھر کی
سیڑھیاں چڑھ رہی ہو گی
انہوں نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے ہوں گے
کسی کے مُنھ سے سی کی آواز بھی نہ نکلی
شاید وہ سوچ رہے ہوں
کہ میں گہری نیند سے جاگ جاؤں گی
شاید وہ سوچ رہے ہوں
کہ میں اپنے کمرے کو سجانے کا خواب

دیکھ رہی ہوں گی
تو کیا ہوا؟
ہمیشہ کی طرح وہ آج بھی ناکام جائے گی
لیکن جب وہ آئی
تو
مری بالکونی میں ٹنگے پرندے نے بھی
اس دن شور نہیں مچایا
نہ ان پودوں نے
مجھ سے کچھ کہا
جن کو میں روز پانی دیتی ہوں
میں نے بھی وہ دن ایسے ہی گزارا
جیسے ہمیشہ گزارتی رہی ہوں۔
شام ان درختوں پر گر رہی ہے
جن کے نیچے میں
جوگنگ پارک میں ایک بینچ پر
بیٹھی سوچ رہی ہوں
روزمرہ کی طرح شروع ہونے والا دن
روزمرہ کی طرح ختم ہو رہا ہے
پھر اُداسی کو جشن منانے کا
موقع کیسے ملا؟

# سمندر کی خوشبو

سمندر کی خوشبو میرے پیٹ
میں گھل رہی ہے
وہ ذرا فاصلے پر ہی بچھا ہے
اور خاموشی سے آسمان کو خود کو
تکتے ہوئے دیکھ رہا ہے
میں ایک کمرے میں
سرخ قالین پر یوگا آسن کرتے ہوئے
آنکھیں موندے
اپنے دل کی آواز سن رہی ہوں
جو آج سکون سے ہے
جیسے کوئی بہت تھک کر سویا ہو۔
وسوسوں کے درمیان سے نکل کر
میں اپنے دل کی اس آسودگی پر
خوش ہوں
جیسے کوئی ماں اپنے بیمار بچّے کو

آرام سے سوتے دیکھ کر
چین کا سانس لیتی ہے
میرے پیٹ میں سمندر کی خوشبو
ایک وقت کی غذا کی طرح مجھے زندہ کر رہی ہے
اس وقت سے پہلے
جب ایک بار پھر مرا دل سوتے سے
جاگے
اپنے وسوسوں سے کھیلنے کے لیے۔

# کیسا ہے میرے شہر کا موسم

جہاں وہ سمندر ہے
جس کے ساحل پر میرے پاؤں کے نشان
چمکتے ہوئے ذرّوں کے نیچے سے
چپکے چپکے تاکتے ہوں گے
بادل کے کسی ٹکڑے کو
کیا میری بالکونی سے نظر آنے والی بندرگاہ میں
آج بھی جہازوں کی شاندار آمدورفت جاری ہے،
اور مچھیروں کا جال کیا ویسے ہی
ننھی مچھلیوں کی گھات میں رہتا ہے
ہر صبح۔
کیا ہر صبح
بچوں کے شور کی آوازیں سنائی
دیتی ہیں
اسی طرح کیا گھنٹی بجتی ہوگی میرے گھر کی
اور آنے والا پوچھتا ہوگا

کیا کوئی نئی نظم لکھی
کیا خالی گھر نے مجھ سے اتنی آشنائی
رکھی ہوگی
کہ میرے نہ ہونے کا پتہ نہ چلے
اور نظم جواب دے
ہاں
اور نظم سننے والا
اس بالکونی تک جا پہنچے
جہاں
سمندر اپنی آنکھوں سے
میری مسکراہٹ میں پوچھے
کیسی لگی؟

# چیزیں

جب چیزیں ڈھونڈی جاتی ہیں
ایک کھلبلی سی مچ جاتی ہے
چیزیں ہیں کہ آنکھیں موندے
کہیں بھی
کسی بھی کونے میں
بہت احتیاط سے پڑی ہوتی ہیں
اور کبھی کبھی انہیں بالکل قریب تک
پہنچ کر
ہاتھ ایسے کھسکا دیتا ہے
جیسے وہ نہ ہوں
جنہیں ڈھونڈا جارہا ہے
وہ ایسے سہمے مسکراتی ہیں
اور شروع کر دیتی ہیں کھیل اپنے ہی اندر
چھپن چھپائی کا
جب ہاتھ انہیں ڈھونڈ نہیں پاتے

وہ آنکھیں کھول کر دیکھتی ہیں
مسکراتی ہیں
اور پھر موند لیتی ہیں
کتنا مزا آتا ہے ان کو
ان چیزوں میں شامل ہو کر
جن کو ڈھونڈا جا رہا ہے۔

# سب کچھ دیکھا جا سکتا ہے

سب کچھ دیکھا جا سکتا ہے
یہاں سے وہاں تک
اگر آنکھ دیکھنا چاہے
اگر وہ یہ دکھانا چاہے
کہ ہر سانس کیا کہہ رہی ہے
وہ جو ریٹینا ہے
اس کا کام تو وہیں ختم ہو جاتا ہے
جہاں وہ ایک شبیہ بناتا ہے
اس سے پیچھے
اور پیچھے
جہاں کسی کا بھی امیج بنتا ہے
جو دیکھا نہیں جا سکتا
اس دنیا میں،
ماسوا
جہاں ہے میرا دل۔

# اپنے بیٹے محمد کے نام

مت بھولنا وہ دن
جن میں تم نے دیکھا ان لمحوں کو
جو چیر دیتے تھے تمہارا دل
مت بھولنا وہ دکھ جن کے
ہاتھوں تم تراشے جارہے تھے
مت بھولنا وہ وقت
جو تمہارے خوابوں کو آئینہ دکھا رہے تھے
اور وہ ہوائیں جو سرد ہوتی تھیں
تمہارے لیے
یہی تو ہے سب کچھ
جن کو نہیں ملا یہ سب کچھ وہ کیا ہیں
مٹّی پر پڑا ہوا ایک ڈھیلا
جو ذرا سی ہوا تیز چلی
تو بھربھری مٹّی سے جاملا
پھر کہاں تھا؟

# یہ موسم اور تُند ہوتا جا رہا ہے

یہ موسم اور تند ہوتا جا رہا ہے
کہر کا راج ہے
اندھیری بچھانا چاہتی ہے
اپنا بوریا...... بستر ا
اس کی بغلوں سے نکل رہی ہے
وہ ٹھنڈ
جو پنڈوں میں گھس رہی ہے
قدموں کے نیچے بارش کا پانی
چھپا کے مار رہا ہے
اور اِدھر اُدھر سے آنے والی روشنی
میں
آنکھیں جھپک رہا ہے
اور میں
ان کو دیکھتی ہوئی
اپنا راستہ کھوجتی ہوں

موسم کی تندی میری ناک کو
چھوٹی سی برفیلی گگر میں
تبدیل کر رہی ہے
موسم کی یہ سرد مہری
اب کب تک
میرے راستے میں حائل رہے گی؟

# ڈیفوڈلز

ڈیفوڈلز بہت سنا تھا تمھارا نام۔
بہت سے شاعروں نے اپنی شاعری میں تمھیں پکار کر نظموں میں سجایا تھا
ڈیفوڈلز۔۔
ورڈز ورتھ نے مجھے تم سے متعارف کرایا تھا
جب میں نے کنوار پن میں تمھارا نام سنا تھا
نام سنتے ہی تمھاری خوشبو میرے چاروں طرف بکھر گیا تھا
یہ خوش بو میں نے اپنی پہلی محبت کے لیے چھپا لیا تھا
تب تمھارا رنگ میری آنکھوں کی پتلیوں نے خود پینٹ کیا تھا
آج بارنٹ کی سڑکوں پر چلتے ہوئے
جب تمہیں دیکھا۔۔تو یہ جانے بغیر کہ تم ہی ہو ڈیفوڈلز
میرے قدم تمھارے پاس سے گزرتے ہوئے رک گئے
تم نے مجھے خوش آمدید کہا
اور تمھارے رنگ نے
جو بہت پہلے
پیچھے کے ایک زمانے میں

اسکول کی ایک ٹیچر کی آواز کے ساتھ میرے کانوں میں رس گھولنے لگے تھے

تم ہی ہو ڈیفوڈلز؟
تم نے اشارے سے کہا
میں ہی ہوں
ڈیفوڈلز۔
یاد کرو
جب کنوار پن کی دہلیز پر
ایک نظم پڑھتے ہوئے تم نے
مجھے اپنے ہاتھوں سے اپنی پہلی محبت کو پیش کیا تھا۔
ڈیفوڈلز تم ہنس رہے ہو
آج میں وہاں ہوں
جہاں تم ہو
اس پرانے سمبندھ میں
کہیں کوئی خلا بھی نہیں آیا
تمھارے رنگ میری پتلیوں سے نکل کر تم کو سجا رہے ہیں۔
خوش گوار سرد ہوائیں
میرے اردگرد
تمھارے بے یقین خوش بو کو یقین میں بدل رہی ہیں

# حیرت کے اس پار

دو آنکھیں تھیں
اس دعوت میں
دو دل تھے
اس منظر میں
ایک مُسکان تھی ذرا پرے

## بیٹی کے نام

دل—
اس دل کے فیصلے پر مت جانا
دل
جس کے ایندھن میں جو آگ روشن ہے
یہ آگ جلاتی ہے
جسم—
خس و خاشاک کی طرح۔
ایک ایک پور— جلتی ہے
دل— فیصلہ کرتا ہے
جسم کو مٹانے کا
میں نے بھی
اس دل کا کہا مانا
کچھ بھی تو نہیں پایا
تم اگر دل کے کہے پر چلیں
تو یہی حال ہوگا تمہارا

جو میرا ہوا۔
جسم کو ستانے کے لیے، چل پڑو گی
دل کا کہا نہ مانو
ورنہ جسم بدحال ہو جائے گا
اور دیکھنے والے
نہ جان سکیں گے

یہ سب
کیوں کر ہوا......

## آخری رسومات کے دوران

تمہیں یاد ہے
محبت کی آخری رسومات کے دوران
تنہائی کے ایک جنگل میں
میں نے تمہیں محبت کا آخری تحفہ بھی دیا تھا
میرے کنوارپن کی خوشبو
تمہارے پسینے میں گندھ گئی تھی
وہ شام
پہلے بوسے سے شروع
ہوئی تھی
اور اندھیرے کی نذر ہوگئی تھی
لیکن محبت
بے ساختگی کے اس وار پر
خوش تھی

## جیسے میں تنہا ہوں

محبت پہلے جسم کو نہیں چھوتی
محبت دل سے دل کی طرف
جاتی ہے
میں تم تک ایسے ہی
پہنچی تھی۔
آج میں تنہا ہوں۔
تمہاری محبت اب صرف
میرے جسم کو چھوتی ہے۔
میری محبت تمہارے دل کو
ٹٹولتی ہے
جو خالی ہے۔
میں تمہیں تنہا نہیں ہونے دوں گی
خالی دل سے جب
جسم چھوا جاتا ہے
تنہائی دور سے نظر آتی ہے۔

# دنیا اداس ہے

۱

میرے اردگرد دنیا اداس ہے
یہ دنیا میری ہے
جہاں دیواریں ہی دیواریں
اور بہت سے دروازے،
دروازے بند ہیں۔
ان دروازوں کے پیچھے
جاتے ہوئے قدموں کی چاپ ہے
اور کھڑکیاں جو مضبوطی سے بند ہیں۔
صرف ایک دروازہ کھلا ہے۔
جس کے شیشے کے ایک پٹ سے لگی
میں سمندر کو دیکھتی ہوں
اور اس پر تنے ہوئے آسمان کو
جہاں شب گزارنے کے لیے
آجاتے ہیں

وہ پرندے جن کی آوازیں
دور سے کسی کو پکارتی ہوئی لگتی ہیں۔
جہاں ساحل تنہائی کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے
تمہاری دوری کے بوجھ سے
میرے بھی کندھے
تھکے جارہے ہیں
اور ادھر ساحل کا اکیلا پن
مجھے بار بار
اپنی طرف بلاتا نظر آتا ہے۔
وہ جب بھی پانی کی طرف
دوڑتا ہے
مرے قدموں کو بھی آمادہ کرتا ہے
آؤ، ہم دونوں
سمندر کی اُور چلتے ہیں۔

۲

مرے اردگرد دنیا اداس ہے
دور بیٹھا میرا بیٹا
عشق کے جھانسے میں آگیا ہے
وہ اپنی روداد لکھتا ہے:
ماں، مجھے عشق ہوگیا ہے۔
مرے دل میں کہیں دور اندھیری راتوں میں

چلنے والے رہٹ کی سی آواز آرہی ہے
کیا تم سن سکتی ہو؟
مجھے معلوم ہے۔
میرے لفظ تمہیں اداس کردیں گے
لیکن ماں
مجھے عشق ہوگیا ہے۔
تمہاری اداس دنیا سے نکل کر
پہلی بار مجھے پتہ چلا ہے
دنیا کتنی اداس ہے۔

۳

مرے اردگرد دنیا اداس ہے
تمہاری آواز کی تان ٹوٹ ٹوٹ کر
میرے کانوں میں آرہی ہے۔
درمیان کا وقفہ — میرے دل میں
اپنے بیٹے کے دل کی حالت
جیسا ہورہا ہے۔
تم میری اداس دنیا سے باہر
منفی درجۂ حرارت کے ساتھ
بہت سے گرم کپڑں میں لدے
کسی ٹرین پر سفر کررہے ہوگے
یا کسی بس میں —

ہم انھیں دور جاتے ہوئے
دیکھتے رہ جاتے ہیں۔
ہم بھی ان کے ہولے ہولے قدموں کی دھمک
اپنے دل میں
سنتے ہوئے، انھیں یاد کرتے ہوئے
سو جاتے ہیں۔

# سوائے تمہارے

یہ سمندر مجھے دیکھتا ہے
اور غنودگی میں شرابور یہ آسمان
بادلوں کے جھنڈ جو آسمان
چھونے کی خواہش میں
سمندروں سے بچھڑ گئے
اور پانی پہ رزق کھوجتی
کشتیاں
اور وہ پرندے جو کہیں سے آئے ہیں
کہیں جانے کے لیے
میرے سامنے ان چاہے
زمین پر پھیلی ہوئی
بوگن ویلیا کی بیل
سب مجھے دیکھ رہے ہیں
سوائے تمہارے۔

# سوال کی گردش

اس نے مجھ سے پوچھا
کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟
میں نے کہا
نہیں۔
اس نے مجھ سے پھر پوچھا،
میں نے کہا
نہیں۔
وہ پوچھتا رہا
میں انکار کرتی رہی
پھر میں
اس سوال کی عادی ہوگئی۔
سوال سننے کی عادت نے
مجھے انکار بھلا دیا
انکار بیچ سے نکل گیا،
پوچھنے والا

پوچھتے پوچھتے تھک گیا
میں سوال کی محبت میں گرفتار ہوگئی
میں نے وہ سوال خود کرنا
شروع کر دیا
اب یہ سوال کرنے والی
میں بھی
اور جواب دینے والا
وہ۔

# میری کرسی خالی

پچھلے دنوں اسی تاریخ
میں
جو آج ہے
اسی جگہ
یہاں دو کرسیاں تھیں،
اور اسی درخت کے نیچے
ایک پہ تم بیٹھے تھے
اور ایک کرسی پر میں
دونوں وقت سے اوبے ہوئے
ہم ایک دوسرے کو
نہیں دیکھ رہے تھے
یہ جانتے ہوئے بھی
کہ ایک دوسرے کا ساتھ
اب لازم بن چکا ہے
اب

وقت نے ہمارے درمیان
فاصلے کی لکیر کھینچ دی ہے۔
آج جس کرسی پر
تم بیٹھے تھے
اس پر میں بیٹھی ہوں
میری کرسی خالی ہے۔

# نظم

آخری بار
اس سمندر کو دیکھنا چاہیے
جو بہت قریب
نیلے آسمان کے رنگ میں گھرا
ریت کے قدموں پہ بچھا جا رہا ہے
آخری بار
ان جہازوں کو جن کی تیاری
مکمل ہو چکی ہے
جو اپنے سفر کے لیے
خود کو سمندر کے حوالے
کر چکے ہیں
آخری بار دیکھنا چاہیے
ان آبی پرندوں کو
جو دور سے نیلے پانیوں پر
اُڑتے ہوئے

جھاگ جیسا سفید رنگ گھول
رہے ہیں۔
آخری بار اس ریت کو دیکھنا چاہیے
جس پر ابھی میرے پاؤں
کے نشاں تازہ ہیں
جس کا مجھے
پیچھے پلٹ کر دیکھنا
محال ہے۔

# گھروندا

بچپن میں
میں کبھی نہیں کھیلی ایسا کھیل
جس کو آپ
گھروندا کہتے ہیں۔
مجھے ریت کے گھروندے
بنانے سے نفرت تھی
میں دیکھتی تھی
ساحل پر گھروندے بنانے والے
جب اسے اپنے ہاتھوں سے چھوکر
دیکھ رہے ہوتے تھے
جب وہ اسے مکمل کر لیتے تھے
کوئی شریر بچّہ
دوڑتا ہوا آتا
اور اپنی شریر ٹانگ سے
اسے توڑ دیتا

بنانے والا
اس ٹوٹے ہوئے گھروندے کو
ایسے دیکھتا
جیسے گھروندا
ٹوٹنے کے لیے ہی ہوتا ہے۔
مجھے نفرت تھی اس کھیل سے
لیکن آج
وقت کی شریر ٹانگ نے
میرے گھر کو
گھروندے کی طرح توڑ دیا ہے،
اور ایسے بھربھری مٹّی کی طرح
ہوا میں اڑا دیا ہے
تو میں سوچ رہی ہوں
اگر مجھے بھی گھروندے بنانے
کا شوق ہوتا
تو میں بھی
اسی طرح
ٹوٹتے ہوئے گھروندے کو دیکھتی
کہ گھروندا ٹوٹنے کے لیے ہی ہوتا ہے۔

# آنول نال دُکھی ہے

وہ مر چکی ہے
اب وہ وہاں نہیں رہ سکتی۔

اگر وہ زندہ ہوتی
تو بھی ایک دن تو ایسا ہونا ہی تھا۔

جلدی میں اس کی ٹانگیں پہلے نکالی گئیں
پھر دھڑ
اور پھر سر
جو اس گرفت سے آزاد ہو چکا تھا کہ اب وہ کہاں ہے۔

وہ لیبر روم کی سلیب پر بے جان پڑی ہے
پیدا ہونے کا درد جھیلے بغیر
لیکن
آنول نال اداس ہے

پہلے دن سے لے کر
آخری دن تک کے تمام مراحل میں
صرف وہی جانتی تھی
اس زندگی کا انجام۔

# وہ بھی ایک سال تھا

جیسے
وہ جو گزر گیا
اس میں گزرے دن جیسے
ایک ایک لمحے کی تپش
ایک ایک پور میں
جیسے
پلٹ کے نہ دیکھنا، بولو
جیسے
مٹّی میں کھیلتے بچّوں کے پاؤں کی اُڑتی دھول
جیسے وہ سب کچھ جو ہونا تھا اور ہوا نہیں
جو اچھا تھا جو بُرا تھا
جیسے
دھمک سنائی دے رہی ہو کسی ان جانے خوف کی
جیسے ادھ مرے بلّی کے بچے کی دم پر پاؤں پڑ گیا ہو
کیسی ہوں گی چیخیں، بولو

وہ جو گزر گیا
وہ بھی ایک سال تھا
وہ جو آیا ہے وہ بھی ایک سال ہے۔

# ڈوبنے والوں کا خواب

دیکھتے تھے ہمیشہ وہ خواب
کبھی اچھے، کبھی بہت اچھے
کبھی کبھی بُرے
لیکن خواب
ان سے نیند بھر کھیل کر
ان کو واپس کر دیتے تھے
ان کے جہاں میں
جدھر وہ رہتے تھے
خواب دیکھنے کے لیے
کھیلتے تھے سمندر سے
ہواؤں سے
اور مٹّی کی خوشبو سے
جاگتے ہوئے وہ سوچتے تھے اب آئے گی نیند، اب۔۔۔
اب کھیلیں گے خوابوں سے
لیکن اس دن تو پھر یہ ہوا کہ

وہ خواب تو ہمیشہ جیسا نہ تھا
ایسا جیسے کبھی ان کی نیند میں آیا ہی نہیں تھا
وہ ان سے جو کھیل کھیل رہا تھا
ویسا کبھی بھی نہیں کھیلا تھا
بہائے لیے جا رہا تھا ان کو نیند میں
اور نہیں کُھلنے دے رہا تھا ان کی آنکھیں
جو وہ واپس جائیں
دوبارہ نیند میں خواب دیکھنے کے لیے۔
وہ سوتے ہی رہ گئے
خواب طویل ہوتا گیا
اتنا طویل
کہ وہ جو سوئے نہیں تھے اس دن
انتظار ہی کرتے رہ گئے
ان کی واپسی کا۔

# عذرا عباس

## آنے والی کتابیں

## میں اور موسیٰ
(ناول)

## انتخاب
(نظمیں، افسانے، ناول، خودنوشت)

# نئی آوازیں

اور میں سوچتا رہ گیا

(غزلیں)

اجمل سراج

تکرار ساعت

(غزلیں)

عرفان ستار

یہاں کچھ پھول رکھے ہیں

(شاعری)

شاہدہ حسن

یادیں بھی اب خواب ہوئیں

(شاعری)

فاطمہ حسن

درِ خواب

(غزلیں)

انعام ندیم

اور کہاں تک جانا ہے

(شاعری)

اکبر معصوم

# ناول ناول پاکستان

## پاکستانی معاشرے کے حالات و واقعات کی عکاسی

## پاکستانی زبانوں کا ادب

## کہانیاں جو اب تک ان کہی تھیں

| | |
|---|---|
| دیا اور دریا | عشق کے مارے ہوئے |
| افضل احسن رندھاوا | زاہد حسن |
| ہمہ اوست | جلا وطن |
| آغا سلیم | نورالہدیٰ شاہ |
| اندھیری دھرتی روشن ہاتھ | دوآبہ |
| آغا سلیم | افضل احسن رندھاوا |
| تتلیاں اور ٹینک | کہساروں کے یہ لوگ |
| احمد سلیم | طاہر آفریدی |

روزمرہ زندگی کے تجربات کی عکاسی ، عام بول چال کے اسلوب ، بے تکلف اظہار اور نثری نظم سے دل چسپی کے حوالے سے جدید شعری ادب میں عذرا عباس کا نام اہمیت رکھتا ہے۔ عذرا عباس کراچی میں پیدا ہوئیں اور کراچی یونیورسٹی سے اردو میں ایم اے کیا۔ انہوں نے ۱۹۷۰ء کے عشرے میں لکھنا شروع کیا اور نئے لکھنے والوں کی صف میں ممتاز نظر آنے لگیں۔ ان کی طویل نظم ''نیند کی مسافتیں'' ۱۹۸۱ء میں کتابی شکل میں شائع ہوئی۔ اس نظم کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے اور اسے اردو میں نثری نظم کی بنیادی کتابوں میں سے ایک تسلیم کیا جاتا ہے۔ عذرا عباس کی نظموں کے دو مجموعے ''میز پر رکھے ہاتھ'' اور ''میں لائنیں کھینچتی ہوں'' کے نام سے سامنے آ چکے ہیں۔

نظم کے ساتھ ساتھ عذرا عباس نثر میں بھی ایک مختلف انداز کی حامل ہیں۔ ''میرا بچپن'' کے نام سے ان کی خودنوشت کا ایک حصہ سامنے آیا ہے۔ کہانیوں کے علاوہ انہوں نے ایک ناول ''میں اور موسیٰ'' بھی لکھا ہے۔ زندگی کے معمولات کی بے کیف اور اُکتا دینے والی یکسانیت میں اچانک نمودار ہو جانے والا کوئی روزن اور اس روزن میں سے جھلکتی ہوئی، کسی اور خواب ناک زندگی کا آسرا...... عذرا عباس کی تحریریں سفر کا مطالبہ کرتی ہیں اور وہ بھی خیال کی رفتار کے ساتھ۔

Rs. 100/=

ISBN 969-8636-66-8